نثار ترابی
صدر، شعبۂ اُردو
گورنمنٹ کالج آف کامرس، راولپنڈی

غزل اور عصری آشوب

ABSTRACT

***Ghazal* and contemporary chaos**
By Nisar Turabi, Head of Urdu Department, Govt. College of Commerce, Rawaplindi.

During every age ghazal has expressed the pains and tribulations of contemporary society. But the way modern ghazal has expressed it, is unparalleled. Today's poet of ghazal is faced with a new kind of torment: hunger, poverty, joblessness, social injustice, class discrimination, lack of peace, plunder and moral decadence. It has made human life miserable. This article intends to probe present age anxiety by quoting relevant verses and shows how the feelings of contemporary sufferings are becoming part of modern poetry.

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شاعر جس عصر میں سانس لے رہا ہوتا ہے اس عصر سے منسلک وہ تمام ذہنی، معاشرتی اور نظریاتی رویے اس کے شعور ِشعر میں ایک غالب فکری اور موضوعاتی رجحان کی شکل میں شناخت کے متنوع رخ اختیار کرتے ہیں۔ وہ جس سماج میں زندگی گزارتا ہے اس سماج کی روایات اور اقدار کو شعوری طور پر قبول کرتے ہوئے اگر ایک طرف اپنے عہد کی تخلیقی تاریخ مرتب کر رہا ہوتا ہے تو دوسری طرف زندگی کے لحہ بہ لحہ بدلتے حالات و واقعات کی ایسی منظوم تصویر کشی بھی کرتا ہے جو اس کی داخلی کائنات کی سچی گواہی ہوتی ہے۔ اس کے نگار خانۂ فن میں عصر کی سچائیاں علامتی اظہار میں ڈھل کر صورتِ واقعہ کو بنیاد بناتی ہیں۔ آج کے غزل گو کے سامنے ایک نئی کربلا کا منظر ہے۔ اسے قدم قدم پر دو ہرے عذاب جھیلنا پڑ رہے ہیں۔ بقول منیر نیازی:

اک اور دریا کا سامنا تھا منیؔر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا(۱)

بدلتے عصر نے انسانی سماج، طرزِ فکر اور خود انسانی زندگی کو جن اذیت ناک مرحلوں میں شریک کر لیا ہے اس کا احساس کرتے ہوئے اور نئی غزل کے فکری اور نفسیاتی مسائل کا کھوج لگاتے ہوئے حسن سوز کہتے ہیں:

''انسان کی محبتوں، نفرتوں اور عداوتوں نے نئے نئے لباس زیب تن کر کے نئے
نئے انداز اختیار کر لیے ہیں، انسانی فطرت کی سیمابی کیفیت میں روز بروز اضافہ

ہوتا جا رہا ہے۔ زندگی کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ ایک خوف سا محسوس ہونے لگا ہے
آج کی دہشت زدہ فضا میں آہستہ روی یا کہیں کسی منزل پر رُک جانے کے تصوّر ہی
سے ہول سا آنے لگتا ہے۔ زندگی جس بھیانک انداز میں آگے بڑھ رہی ہے اس
میں اپنے لیے کوئی سمت تلاش کر لینا بڑا محال ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان اس
بے سمتی ہی کا کوئی اچھا سا نام رکھ کر نئی صداقتوں سے مانوس ہو جائے (۲)۔''

حصولِ آزادی کی جدوجہد اور ہجرت کے نتیجے میں انسانی زندگی جن قیامت خیز مناظر سے گزر کر آج کی عصری صورتِ حال کا حصہ بنی اس میں بھی ایک مکمل عصری آشوب قدم قدم پر خون کے دریا کی قربانی مانگتا ہے۔ صاحبانِ اقتدار کی ہوس کارانہ خود غرضی اور خود انسان سے انسان کے بچھڑ جانے کا دکھ اسے نڈھال کیے ہوئے ہے۔ اسے آزادیٔ وطن سے جو خوش گوار توقعات وابستہ تھیں وہ جس بری طرح پاش پاش ہوئیں اس نے آج کے حساس اور قومی درد میں ڈوبے ہوئے تخلیق کار کو نڈھال کر دیا ہے۔ ادب زندگی کا مظہر ہے اور شاعر زندگی کی خوبصورتیوں کے ساتھ ساتھ اس کی المیاتی فضا و ماحول کو بھی گہرے احساس کے ساتھ اپنے شعری رویوں سے ہم آہنگ کرنے کے فرض ادا کرتا ہے۔ عالمی تناظر میں انسان زندگی کی مجموعی صورتِ حال ایک عجب قیامت بپا کیے ہوئے ہے۔ بڑی طاقتیں چھوٹی طاقتوں کو نگل جانے کی فکر میں ہیں۔

پس ماندہ ممالک اور خصوصاً تیسری دنیا سے تعلق رکھنے والے وہ ممالک کہ جن کے باسی آج کے جدید دور میں بھی غربت کی مجموعی لکیر سے بھی نچلی سطح کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ انہیں سرمایہ دارنہ نظام کے ناخدا آج بھی معاشی غلامی کی زنجیروں میں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ انہیں دیکھ کر اسلام سے قبل کی دورِ جاہلیت کی غیر انسانی مثالیں یاد آجاتی ہیں۔ تیسری دنیا میں شامل نو آزاد ممالک اور خاص طور سے وہ تمام ممالک جن کی آزادی کا فیصلہ اب بھی زمین کے ناخداؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اپنے بنیادی انسان حقوق سے محروم ہیں۔ فلسطین و کشمیر سے لے کر بوسینا اور چیچینا اور اب برما (میانمار) تک لاکھوں انسان زندگی کی بھیک مانگتے دکھائی دیتے ہیں۔ اقتدار کی ہوس میں بدمست بڑی طاقتیں جب چاہتی ہیں مظلوم مگر آباد انسانی بستیوں کو پل بھر میں ویرانے میں بدل دیتی ہیں۔ ذاتی مفاد کی خاطر انسانی جان سے کھیلنا ایک فیشن سا بن گیا ہے۔ قومی، نسلی، علاقائی، طبقاتی اور ذات پات کے امتیازات کے زور پر جس خود غرضی، زر پرستی، ذخیرہ اندوزی، اقربا پروری اور علاقائی اور لسانی تعصب کو عام کیا ہے اس نے اس جدید سائنسی دور کے انسان کو غاروں کے زمانے کا انسان بنا دیا ہے کہ جس کے پاس شعور تھا نہ تہذیب، بھوک، افلاس، بے روزگاری، سماجی اور طبقاتی پس ماندگی اور بے حد وحساب بڑھتی ہوئی انسان دشمن دہشت گردی نے آج کی انسانی زندگی کو جس نشانے پر رکھا ہوا ہے وہ عصر کی روح کا ایک رِستا ہوا زخم بن کر آج کی غزل کا ایک نمایاں رجحان ہے۔

حجابِ گل میں چمن رو رہے ہیں دیکھ چکے
خدا کے واسطے اب لے چلو یہاں سے مجھے

(توصیف تبسم، مزاحمتی ادب، ص ۳۵۸)

شادیانے بھی براتی بھی مداراتیں بھی
شادمانی میں بھی رونق سے قناتیں خالی

(خالد اقبال یاسر، مزاحمتی ادب، ص ۳۸۰)

کوئی شے گھر میں نہیں چھوڑی عجب تاجر ہیں
خواب تک ہم سرِ بازار لیے پھرتے ہیں

(ریاض مجید، مزاحمتی ادب، ص ۳۹۹)

نہ منزل ہے نہ نقشِ رہ گزر رکھا گیا ہے
ہمارے پاؤں میں کیسا سفر رکھا گیا ہے

(حسن عباس رضا، مزاحمتی ادب، ص ۳۷۲)

ہے اک زمانے سے بستی پہ سایۂ آسیب
نجانے چھوڑ کے جائے نشانیاں کیا کیا

(محمد فخر الحق نوری، مزاحمتی ادب، ص ۴۷۹)

صوت ہزار ہے نہ کہیں خندہ ہائے گل
اُگنے لگے ہیں خار چمن میں بجائے گل

(شاہین مفتی، بیاض، ص ۱۱۷)

وہ قحطِ خواب ہے کہ میسر نہیں کہیں
اہلِ خیال کو بھی خیال آشنا کوئی

(سلیم کوثر، بیاض، ص ۷۷)

ایک انہونی کا ڈر ہے اور میں
دشت کا اندھا سفر ہے اور میں

(ناصر علی سید، پاکستانی ادب، ص ۷)

عصر کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے انجم اعظمی لکھتے ہیں:

''عصر انسان کی زندگی کی اہم ترین جہت ہے جس کے بغیر اس زندگی میں اُسے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ اظہار کا داخلی پہلو جب خارج کے امکان کو آزمانا چاہتا ہے تو اپنے عصر میں قدم رکھتا ہے۔ انسان جو کچھ خود ہوتا ہے وہ اُس کا داخلی پہلو ہے۔ اظہار کے خارجی عمل میں عصر کو اپنانے، سمیٹنے پرکھنے اور عصر سے ہم آہنگ ہونے کی کیفیت سے گزرتا ہے۔ یہ بھی انسان کا فطری عمل ہے لیکن عصری آگہی اُس کے اندر کتنی ہی گہری اُتر جائے عصر بہر حال اس کی ذات سے الگ خارج میں اس کی ذات کا امکان بن کر موجود رہتا ہے (۳)۔''

ایک طرف تو انسان چاند ستاروں پر آباد ہونے کی جستجو میں ہے تو دوسری طرف وہ ایک لمحے میں ساری دنیا کو بارود کے ڈھیر میں بدل دینے کی وحشیانہ کوشش میں بھی مصروف ہے۔ یہ سارا عصری آشوب غزل کے عصری رویوں اور رجحانات سے یوں ہم آہنگ ہوگیا ہے کہ اس نے جدید غزل کو ایک نوحے کا روپ دے دیا ہے۔ ایک ناختم ہونے والی ماتمی فضا غزل کی روح میں ڈھل کر ہم سے آنسوؤں کا خراج مانگ رہی ہے۔

حاصلِ احساس ہے اک عمر کی تشنہ لبی
ابر کا ٹکڑا بھی کوئی شہر پر برسا نہیں

(منور ہاشمی، پاکستانی ادب، ص ۶۹۳)

یوں سانحے کی زد میں وطن آ گیا مرا
تاریخ کے ورق بھی الم ناک ہو گئے

(فاطمہ حسن، مزاحمتی اداب، ص ۴۶۰)

حدودِ دشت میں آبادیاں جو ہونے لگیں
ہم اپنے شہر میں تنہائیاں بسانے لگے

(اختر رضا سلیمی، پاکستانی ادب، ص ۳۰۲)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری، جدیدیت، عصری آگہی، آشوب آگہی، عصری حسیت، ذات کا کرب اور عصری شعور کو معنوی سطح پر جدیدیت ہی کا مظہر تسلیم کرتے ہوئے اور اس کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اس جدید حسیت کا مفہوم اس آگہی یا حسیت کے لیے مخصوص ہے جو اپنے عہد کے سارے سماجی مسائل و عقائد کی رمز آشنا اور اپنے دور کے جملہ تہذیبی اقدار کی نبض

شناس ہے۔ ہمارے ادب میں اس حسیت کا کردار بہت نمایاں ہے اور اس نے
ادب کے ہیئت و مواد اور موضوع و مزاج سے پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے(۴)۔''

عصری حسیت میں شامل دکھ درد کی جو لہریں غزلیہ اشعار کی صورت میں ڈھل گئی ہیں یہ سب تخلیقی ادب کے وسیلے سے ہماری قومی اور سماجی زندگی کی نمائندگی کرتی ہیں۔ تخلیقی ادب قومی مرحلے کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی کرتا ہے اس کا تسلسل ہی ہماری سماجی اور ثقافتی پہچان کا دوسرا نام ہے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جلیل عالی بجا طور پر رقم طراز ہیں:

''کسی قوم کی فکری تہذیبی روایت کو سمجھنے کے لیے اس کا تخلیقی ادب سب سے معتبر وسیلہ ہوتا ہے۔ تخلیقی ادب میں کسی قوم کا حقیقی باطن سانس لے رہا ہوتا ہے کیونکہ اس میں قومی تشخص کا وہ امکانی چہرہ بھی نظر آتا ہے جو خارجی ثقافتی مظاہر میں ظاہر ہونے کے لیے ابھی مناسب خدوخال کی تلاش کے مرحلے سے گزر رہا ہوتا ہے(۵)۔''

ذیل میں ہم جدید حسیت کے معنوی تناظر میں شامل ان عصری حقائق کے چند مزید شعری نمونے درج کرتے ہیں جو عصری آشوب اور عصری حسیت کے ساتھ ساتھ شاعر کے آشوبِ ذات کی بھی نمائندگی کرتے ہیں:

نظر اٹھی ہے جدھر بھی ادھر تماشا ہے
بشر کے واسطے جیسے بشر تماشا ہے

(نثار ترابی، پاکستانی ادب، ص ۷۰۲)

میں جلتے شہر کا نیرو بھی ہوں رعایا بھی
یہ آنسو اپنے ہیں اور بانسری بھی اپنی ہے

(عطاء الحق قاسمی، مزاحمتی ادب، ص ۴۵۲)

ہر اصل ساتھ لے گیا طوفانِ گردوباد
چہرے اُڑے ہوئے ہیں غبارِ ممات سے

(اختر عثمان، مزاحمتی ادب، ص ۳۲۰)

کون سی تہذیب کے آثار ہیں سوچو ذرا
یہ بدن نوچے ہوئے یہ چہرے جھلسائے ہوئے

(ارشاد قمر، مزاحمتی ادب، ص ۳۲۳)

دھند آنکھوں میں، گھٹن سانسوں میں ہے
بوئے گل ، رنگِ چمن سب گرد ہے

(مسلم شمیم، مزاحمتی ادب، ص ۴۸۵)

حواشی:

(۱) منیر نیازی، اک اور دریا کا سامنا (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۳۰۲۔

(۲) حسن نور، نئی غزل کے فکری و نفسیاتی مسائل، مشمولہ غزل، نئی غزل اور پاکستان (کراچی: رہبر پبلیشرز، اگست ۱۹۹۱ء)، ص ۲۸۷۔

(۳) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، جدید حسیت کیا ہے، مشمولہ ادب اور ادب کی افادیت (کراچی: اختر کتاب گھر، ۱۹۹۱ء)، ص ۴۱۔۴۲

(۴) جلیل عالی، ہماری تہذیبی مرادیں اور پاکستانی غزل، مشمولہ بیاض، جلد ۲۲، شمارہ ۲ (لاہور: ریاض گروپ آف پبلی کیشنز، فروری ۲۰۱۴ء)، ص ۱۸۳۔

(۵) انجم اعظمی، لکھنے والے اپنے ہم عصر کے اندر لکھتے ہیں، مشمولہ شاعری کی زبان (کراچی: البا قریہ پبلی کیشنز، جنوری ۱۹۸۹ء)، ص ۷۲۔۷۳

مآخذ:

۱۔ اعظمی، انجم، لکھنے والے اپنے ہم عصر کے اندر لکھتے ہیں، مشمولہ شاعری کی زبان، کراچی: البا قریہ پبلی کیشنز، جنوری ۱۹۸۹ء۔

۲۔ امجد، رشید (مرتب)، پاکستانی ادب، انتخابِ شاعری، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۹ء۔

۳۔ ________ (مرتب)، مزاحمتی ادب، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۹ء۔

۴۔ عالی، جلیل، ہماری تہذیبی مرادیں اور پاکستانی غزل، مشمولہ بیاض، جلد ۲۲، شمارہ ۲، لاہور: ریاض گروپ آف پبلی کیشنز، فروری ۲۰۱۴ء۔

۵۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، جدید حسیت کیا ہے، مشمولہ ادب اور ادب کی افادیت، کراچی: اختر کتاب گھر، ۱۹۹۱ء۔

۶۔ منظور، عمران (مدیر)، بیاض، جلد ۱۷، شمارہ ۱، لاہور: جنوری ۲۰۰۹ء۔

۷۔ منیر نیازی، اک اور دیا کا سامنا، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء۔

۸۔ نور، حسن، نئی غزل کے فکری و نفسیاتی مسائل، مشمولہ غزل، نئی غزل اور پاکستان، کراچی: رہبر پبلیشرز، اگست ۱۹۹۱ء۔